الٰہی صفات کے معانی کی شناخت

(مرتضی مطہری کی نظر میں)

SEMANTICS OF DIVINE ATTRIBUTES

(From the viewpoint of Mortaza Motahari)

Dr. Syed Muhammad Faheem Abbas

Abstract:

In theology, an important issue is the interpretation of the divine attributes. The question that arises in this regard is: whether it is possible to identify divine attributes? Does the same sense can be used about human traits and divine attributes? In this study, it is tried to analysis the viewpoint of Martyr Mortaza Motahari regarding divine attributes.The author concludes that Mortaza Motahari rejects the doctrine of transcendence and pure metaphor and believes that attributes such as knowledge, life and power have equal meaning between God and man.

***Key words**: Motahari, Semantics, Divine attributes.*

خلاصہ

الٰہیات اور خدا شناسی کی ابحاث میں الٰہی صفات کے معانی کی شناخت کی بحث کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس بحث میں عمدہ سوالات یہ پیدا ہوتے ہیں کہ آیا خداوند تعالی کی کوئی صفات ہیں؟ کیاان صفات کی شناخت اور پہچان ممکن ہے؟ آیا انسانی صفات کے جو معانی ہیں، خدائی صفات کے بھی وہی معنی ہیں؟ ان سوالات کے پیش نظر اس مقالے میں عالم اسلام کے ایک عظیم دانشور اور عالم، شہید مرتضی مطہری کے نظریات کی روشنی میں ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شہید مطہری کے اس موضوع پر فلسفیانہ اور کلامی دلائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ ہے انہوں نے صفات الٰہی کے باب میں تنزیہ محض اور تشبیہ محض کے نظریہ کو ردّ کیا ہے اور ان کے عقیدہ کے مطابق علم، حیات اور قدرت جیسی صفات میں، خدا اور انسان کے درمیان معنوی اشتراک پایا جاتا ہے۔

کلیدی کلمات: مطہری، معنی شناسی، الٰہی صفات۔

تعارف

الٰہی صفات کے معانی کی شناخت کی بحث کب سے شروع ہوئی، یہ ابھی واضح نہیں ہے۔ لیکن اس بارے میں لکھی گئی کچھ کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مسائل اور ابحاث، افلاطون کے زمانے سے بھی پہلے اٹھائے گئے تھے۔[1] اگر ہم اسلامی کتب پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسائل دوسری صدی ہجری میں پیش آئے۔[2] تاہم مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ بنابریں، اس مقالہ کا اصلی سوال یہ ہے کہ کیا کیا خدائی صفات کی شناخت ممکن ہے؟ آیا الٰہی صفات کا وہی معنی مراد لیا جاسکتا ہے جو انسان کو ان صفات سے متصف کرتے وقت مراد لیا جاتا ہے؟ اگرچہ اس مسئلہ پر فَلاسِفَرز اور مسلمان اسکالرز کے مختلف نظریات سامنے آئے ہیں لیکن اس تحقیق میں شہید مرتضی مطہری کی ناقدانہ نظر اور دلائل کو بیان کیا گیا ہے۔ تاہم اس مسئلہ کا تاریخی جائزہ لینے کے لئے ذیل میں اس حوالے سے یہودی، عیسائی اور مسلمان مفکرین کے نظریات کا اجمالی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

یہودی اور عیسائی مفکرین

بطور کلی یہودی اور عیسائی مفکرین سلبی الٰہیات پر یقین رکھتے تھے ۔ ایک معروف یہودی فلسفی اور مذہبی ماہر، موسیٰ ابن میمون (1135-1204) نے اپنی اہم فلسفیانہ الٰہیات کی کتاب "دلالۃ الحائرین" میں سلبی الہیات کا نظریہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔[3] ابن میمون کے خیال میں، سوائے منفی بیانات، جیسے "خدا جسم نہیں رکھتا"، اور کچھ بہت ہی عمومی جملے، جیسے "خدا موجود ہے" اور " تمام تبدیلیوں کی اصلی اور پہلی علت خدا کی ذات ہے"۔ کوئی بھی حقیقی یا مثبت جملہ اللہ تعالی کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا، ہم جو کچھ بھی خدا کے بارے میں استعمال کرتے ہیں اس کا ترجمہ مثبت الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا۔[4] ابن میمون، اس حقیقت سے واقف ہے کہ مسیحی تثلیث میں، تین ذاتین اور اقنوم واضح ہیں جبکہ خدا ایک ذات اور چند صفات پر مبنی ہے، کہتے ہیں: اگر کوئی ان ذاتی صفات کو عین ذات جانے اور دوسری طرف خداوند متعال کو بسیط سمجھے تو ایسی صورت میں ایک ہی ذات میں متعدد صفات ناسازگار ہوں گی، کیونکہ عینیتِ صفات، ذات بسیط کے ساتھ اس معنی میں ہے کہ اس میں ہر قسم کی کثرت کی نفی کی گئی ہے۔[5]

خدا کی تنزیہ کی طرف یہ تمایل یہودیوں کے ذریعہ عیسائیوں میں پھیلا۔ **نکولس کوسا**(Nicholas of Cusa) کہتا ہے: "جو کچھ خدا کے بارے میں معلوم جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قابل شناخت نہیں" وہ، **اور جن**(Origen) کی طرح، خدا کو "ضد الاضداد" مانتا ہے[6] اور ان کا ماننا یہ ہے کہ یہ کہ دینی اور مذہبی مسائل زیادہ تر مثبت سخن کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہبی اور متدیّن افراد، حق اور حقیقت کی بجائے انسانی نقشوں کی عبادت کرتے

آئے ہیں۔[7] چونکہ **کلیمینٹ** (Clement) کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی با معنی محمول ایسا نہیں جو خداوند متعال کے لئے مناسب ہو۔[8] لیکن سلبی الٰہیات میں سب سے نمایاں عیسائی شخصیت، پانچویں صدی کا شامی عیسائی جسے کاذب ڈائنیسیئس ((Pseudo – Dionysius)) کہتے ہیں کہتا ہے: "خداوند علی الاصول سلب و اثبات سے بالاتر ہے"[9] اللہ تعالی ناقابل بیان اور ناقابل ادراک ہے۔[10] عرفانی الٰہیاتِ میں اور ڈائنیسیئس نے اپنی مجموعہ آثار میں مختلف مقامات پر خداوند کو پوشیدہ اور متعال سمجھا ہے؛ کوئی زبان یا بولی بھی اس کی ذات کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں اور امر متعال کی تلاش اس کی رویئت اور شناخت سے بھی بالا تر ہے۔ان کے نظریے کے مطابق اللہ تعالی کے بارے میں کوئی اثباتی یا سلبی صفت بیان نہیں کی جا سکتی۔[11] البتہ وہ اثباتی الٰہیات پر سلبی الٰہیات کو ترجیح دیتے تھے۔

مسلم مفکرین

مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ تھے جو ایسے نظریات رکھتے تھے، جیسے: ملا رجب علی تبریز، جو لفظی اشتراک کے حامی ہیں۔ لفظی اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ وجود اور موجود کا لفظ، ظاہری شکل میں، خالق اور مخلوق پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے۔ اور اسی طرح لفظی اشتراک نہ صرف وجود میں، بلکہ دوسرے تمام کمالات کے مفاہیم میں بھی ہے۔ اسی موضوع نے انہیں سلبی الٰہیات کی طرف راغب کیا۔[12] رجب علی تبریز نے خدا کی صفات کا انکار کیا اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نہ تو صفات واجب تعالیٰ کے لیے عین ذات ہیں نہ زائدِ ذات ہیں اور اللہ تعالی کی ذات ہر قسم کی صفت سے منزّہ اور مبرّہ ہے۔[13] شیخ رجب علی تبریز کے شاگرد قاضی سعید قمی، بھی سلبی الٰہیات کے بہت بڑے حامی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "خداوند متعال کی اوصاف بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے، چاہے وہ سلبی ہو یا اثباتی ۔۔۔اس کی صفت بیان کرنا کسی بھی طرح مناسب و معقول نہیں۔اس سے ہٹ کر کہ ان اوصاف کو عین ذات یا غیر ذات جانیں۔"[14] قاضی سعید کے مطابق، اللہ تعالی، جیسے اپنی ذات میں تمام موجودات سے مختلف ہے، اپنی صفات میں بھی وہ مخلوقات سے جدا ہے۔ وہ کچھ آیات اور روایات کے مطابق، خالق اور مخلوق کے اشتراکِ وجود کو مسترد کرتے ہیں۔اور شرح توحید صدوق میں بیان کرتے ہیں، "اگر خدا اپنی مخلوقات سے تناسب رکھتا، تو خدا بھی مخلوق کے زمرے میں آتے"۔[15] قاضی سعید اسی دلیل کو صفات کے بارے میں بھی قائم کرتے ہیں: "اگر خدا اپنی صفات میں مخلوق کے ساتھ سازگاری رکھتا، تو حکم کے مطابق عرض میں اشتراک سے معروض کا اشتراک لازم آتا ہے، اس صورت میں وہ اپنی ذات میں مخلوق کے ساتھ مشترک ہے۔ اور یہ بات عقل اور برہان کے تقاضے کے خلاف ہے۔"[16]

1۔آیا خدائی صفات کی پہچان ممکن؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا انسانی ذہن و فکر، الٰہی صفات کی پہچان اور ادراک حاصل کر سکتی ہے یا نہیں، تو اس حوالے سے استاد مرتضی مطہری کا نظریہ ہے کہ انسان خدا کی صفات کو جان بھی سکتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی صفات میں کسی حد تک تحقیق بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ان کے مجموعہ آثار میں بیان ہوا ہے: "عام تصورات اور وجود کے عمومی تصورات کے ساتھ ذہن کی واقفیت ریاضی کے اہم یا فطری مسائل کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے، لیکن خاص الٰہی معاملات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کہ کون سی صفت، صفات کاملہ سے ہے اور اللہ تعالی کی ذات کے لئے مناسب ہے یا نہیں، وجود شناسی کے قاعدے کے ذریعے یہ بات قابل تحقیق ہے اور فلسفیانہ تربیت یافتہ عقل ایک خاص سطح تک اس بارے میں تحقیق اور تفتیش کی اہلیت رکھتی ہے۔" [17]

اس عبارت میں شہید مرتضی مطہری کی مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ ہم خدا کو مخلوقات سے تشبیہ دیں یا اس کو مخلوقات جیسا سمجھیں، یا بالخصوص اس جملے سے کہ (وجود شناسی کا قاعدہ) سے مراد ظاہری بدن نہیں، جو اس کے غیر کی طرف ہمارے اذہان کو مائل کرے، بلکہ اس کے جیسا کوئی ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ اور نہ ہی یہ اس معنی میں ہے کہ ہم اس کی ذات حقیقت کو پہچان سکیں۔ ہر گز انسان کی طاقت سے یہ بات خارج ہے۔ جیسا کہ شہید مرتضی مطہری خود فرماتے ہیں: "خدا کے جیسا کوئی نہیں۔ (لیس کمثلہ شیء) اس کی تشبیہ کسی چیز اور کسی بھی شخص سے نہیں کی جا سکتی، انسان کو اس ذات پاک کے ساتھ کیا نسبت، انسان اس بات پر قادر نہیں کہ اس ذات کی حقیقت اور صفات کو پہچان سکے"۔ ان کے خیال میں جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم منصب نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کی مخلوق کے لئے استعمال کردہ کسی بھی چیز، معانی اور صفات کا اطلاق خدا پر نہیں کر سکتے یا مخلوقات کے لئے استعمال ہونے والی کسی صفت کا خدا پر اطلاق نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے اور خدا کے مابین فرق یہ ہے کہ وہ واجب ہے اور ہم ممکن ہیں، وہ قدیم ہے اور ہم حادث ہیں، وہ لا محدود ہے اور ہم محدود ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالی عالم ہے اور انسان بھی عالم ہے۔ علم کا مطلب بھی شناخت، آگاہی اور کشف کے سوا کچھ نہیں۔ فرق یہ ہے کہ خداوند کا عالم ہونا ضروری اور انسان کا عالم ہونا ممکن ہے۔ وہ قدیم العلم ہے اور انسان حادث العلم۔ وہ کلی و جزئی، گزشتہ و حاضر، ظاہر و غیب کا عالم ہے: لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ (34:3) انسان بہت قلیل اور محدود حصے کا عالم ہے۔ اس کا علم بالذات اور اس کا علم بالغیر ہے۔ اللہ کے علم اور انسان کے علم میں فرق غیر متناہی اور متناہی کا ہے۔ [18] درحقیقت، ہم اللہ تبارک و تعالی کے لیے اور انسان کے لیے بھی ان صفات کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن ایک فرق کے ساتھ وہ یہ کہ مصداق کے اعتبار سے اللہ تعالی اور انسان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے، ہم مقید

ہیں اور وہ مطلق ہے ہم محدود ہیں اور وہ لا محدود، بالفاظ دیگر انسان کی صفات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے یا اس کی واقعیت کو جانا جا سکتا ہے لیکن پروردگار کی صفات کا احاطہ اور ان کے حقیقی معنی کے تہہ تک پہنچنا ہمارے بلکہ کسی ذی روح کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ہم شہید مرتضی مطہری کے بیانات کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ الٰہی صفات کی پہچان کے باب میں مخلوقات اور خدا کی صفات کے درمیان اشتراکِ معنوی کے قائل ہوئے ہیں۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم مقید ہیں اور خداوند تعالیٰ کی ذات مطلق ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنی محدود اور مقید فہم کے ذریعے اس ذات مطلق کی صفات کو پہچان سکیں؟ مرتضی مطہری اس بات معتقد ہیں کہ: " ہم ہمیشہ اپنی مادی زندگی میں جسمانی، زمانی اور مکانی قیود میں گرفتار ہیں۔ اسی وجہ سے ہم مطلق کو اور جو ان قیود سے پاک ذات ہے نہیں جان سکتے۔ لیکن اسی حالت میں ہم "مقید" کو بغیر "مطلق" کے تصور نہیں کر سکتے کیوں کہ ہر مقید چند مطلق اشیاء کا مجموعہ ہوتا ہے جن کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ مقارنت اور تعلق قائم کرتے ہوئے اطلاق سے خارج ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کہا جائے: "چھوٹا سفید انسان" تو یہ ایک ایسا مقید ہے جو تین مطلق اشیاء سے وجود میں آیا ہے۔ تو لہٰذا ہم مطلق کو پہچانتے ہیں لیکن قیود میں"۔ اس مطلب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " یہی وجہ ہے کہ جب ہم مطلق کے بارے میں سنتے ہیں، اپنے ذہنی انس کے لئے ان مقید و مانوس اشیاء سے اس ذات کو تصور میں لاتے ہیں"۔ [19]

استاد مطہری کا عقیدہ یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ ہمارا سروکار مقیدات سے ہے اور ہم ان چیزوں سے مانوس ہیں جن کو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے سے دی جا سکتی ہے کہ اگر ہم ایک دیہاتی سے کہیں کہ اس دنیا میں ایک بہت بڑا " شنگھائی " نامی شہر ہے اس بات کو سنتے ہی وہ اپنے ذہن میں ایسے گاوں کی شکل تشکیل دے گا جو بہت زیادہ آبادی پر مشتمل ہے۔ لیکن ہمیں اس کو ساتھ یہ بھی سمجھانے کے لئے بتانا ہوگا کہ شنگھائی ایک بہت بڑی آبادی کا شہر ہے لیکن ان جیسی آبادیوں والے شہروں سے اس کا مقایسہ نہیں کیا جا سکتا۔

مختصرا یہ کہ ہم ہمیشہ مطلق کو نفی کے ذریعے پہچانتے ہیں، اس کی ذات مطلق ہے، لا محدود ہے بے نیاز ہے لہٰذا ہم معلول، قید اور نقص جیسے امور کو اس کی ذات پاک سے نفی کرتے ہیں تاکہ ہم مندرجہ بالا مفاہیم کو اس ذات کے بارے میں درک کر سکیں۔ اس وقت کہتے ہیں: اللہ تعالی موجود ہے لیکن وہ ان موجودات کی مانند نہیں ہے جو ہم بظاہر دیکھتے ہیں، نیز وہ قدرت، علم، حیات اور وجود رکھتا ہے لیکن اس کی تشبیہ دیگر موجودات کے علم، قدرت، حیات اور وجود کے ساتھ نہیں دی جا سکتی۔

2۔ کس قاعدے کے ذریعے ہم اللہ تعالی کی صفات کو پہچان سکتے ہیں؟

شہید مرتضی مطہری کا نظریہ ہے کہ اس سوال کا جواب دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے:

پہلا قاعدہ: اس قاعدہ و قانون کے مطابق اس کی ذات صفات پر دلیل واقع ہو گی؛ یہ وہی **برہان صدیقین** ہے، یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ اصالت اور حقیقت اس کے وجود سے ہے، اور مستند ہو گیا کہ حق تعالی وجود محض اور واقعیت محض ہے اور اس کی ذات عدم اور ماہیت سے مبرا ہے، اور مصدقہ بات ہے کہ کمال وجود کے مساوی ہے اور عدم و ماہیت، نقص و عیب کا منشاء ہیں، تو اللہ تعالی حقیقی کمال کا مالک ہے، کیونکہ حقیقی کمال یہ ہے کہ حقیقت اور وجود کی طرف لوٹے، اور اس کا تعلق وجود اور واقعیت سے ہو، چونکہ ذات حق وجود محض ہے پس کمال محض ہے۔ درحقیقت، اس قاعدہ میں مرتضی مطہری نے صدرالمتالہین شیرازی کے اللہ تعالی کے بارے میں دلائل میں سے اس دلیل کو اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔

دوسرا قاعدہ: اس قاعدے میں شہید مطہری دو ذیلی دلیلوں کے قائل ہوئے ہیں، اس دلیل میں مخلوق اس کے اوصاف کا آئینہ ہے:

الف: خالص فلسفی دلیل کے لحاظ سے: "یہ بات ناممکن سی ہے کہ کمال عطا کرنے والا خود اس کمال کا مالک نہ ہو۔" چونکہ ہم مخلوق میں کمالات کا ایک سلسلہ جیسے علم، قدرت، حیات اور ارادہ دیکھتے ہیں، لہٰذا یہ سلسلہ اس بات کی علامت ہے کہ موجودات کا منشاء اور مبداء، ان (تمام) کمالات کا مالک ہے۔ یہ دلیل تمام فلاسفرز کے نزدیک قابل قبول ہے اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جو کوئی بھی ایک کمال کا دینے والا اور عطا کرنے ہو اور وہ خود اس ملکہ یا اس کمال سے محروم ہو اس بات کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی، تو لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذات بھی ان تمام اوصاف و صفات کا مالک و صاحب ہو جیسے علم، قدرت۔۔۔۔ وغیرہ۔

ب: دوسری دلیل جسے علم کلام کے ذریعے ثابت کیا جاسکتا ہے: یہ جو ہم اتنا منظّم اور زبردست نظام کائنات دیکھ رہے ہیں یہ محض ایک اتفاق نہیں ہے بلکہ اس میں علم، ارادہ و تدّبر سے کام لیا گیا ہے؛ اور چونکہ وہ ارادہ و علم، فاعل میں ہے، تو قدرت بھی ہے، کیونکہ قدرت تو اس کو کہتے ہیں کہ جب فاعل چاہے اپنے فعل یا کام کو انجام دے دے؛ اسی دلیل کی بناپر وہ زندہ بھی ہے کیونکہ زندگی بھی اس کے علاوہ تو کچھ نہیں کہ موجود فعّال اور درک و فہم کرنے والا ہو۔[20] اس سے یہ واضح ہے کہ مرتضی مطہری برہان نظم کے قائل ہیں، جو کہ کلامی استدلال ہے اس استدلال و برہان کو علم کلام میں بہت اہمیت حاصل ہے اور جس کے ذریعے خداوند متعالی کے وجود اور اوصاف کو ثابت کیا جاتا ہے۔

البتہ ان قاعدوں پر ایک اعتراض و اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان میں یہ تو ثابت ہو رہا ہے کہ خالق نے یہ کمالات مخلوق کو عطا فرمائے ہیں اور اس ذات کے پاس یہ کمالات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں لیکن یہ اس بات پر قطعاً دلالت نہیں کر رہا کہ ذات حق کمال مطلق ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں مرتضی مطہری فرماتے ہیں:
اگر ہم برہان کی دوسرے جانب دیکھیں تو اس خداوند عالم جو وجود اور ہستی دینے والی ذات ہے ، اس کے لیے ضروری ہے کہ جو علت فاعلی ہے وہ صاحب کمال ہونی چاہیے تاکہ وہ معلول کو یہ صفت دے سکے، یہ اس بات کا لازمہ ہے کہ جو ہستی بخشنے والی ذات ہے وہ تمام کمالات کی مالک ہو۔[21]
شہید مرتضی مطہری کی عبارت سے جو بات آشکار ہوئی وہ یہ ہے کہ جو فاعل علت ہے وہ تمام کمالات کامالک ہو تاکہ وہ معلول کو دے سکے۔ تو یہی چیز اس کے صاحب کمالات ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ کمال کو بخشنے والا ہے، اگر وہ صاحب کمال نہ ہو تو وہ کیسے دوسروں و یہ کمالات دے سکتا ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں: "اگر ہم خداوندِ عالم کو «برہان» کی اس جانب دیکھیں تو واقعیت مطلق اسی ذات سے ہے تو لہٰذا ضروری ہے کہ سارے کمال اور حقیقت بھی اسی کی ہی ہو گی۔ مثلا اس جہان کے جو موجودات ہیں ان میں جو بھی فعالیت و قدرتِ عمل دیکھی جا سکتی ہیں وہ ان کی زمانی اور مکانی شرائط کی حد تک محدود ہیں۔ البتہ اس کی فعالیت اور قدرتِ عمل، اس قدرت سے ہی ہے جو مذکورہ بالا قدرت میں ہے۔"[22] اس بحث سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موجودات بھی کسی نہ کسی سرگرمی اور فعالیت پر قادر ہیں لیکن وہ قدرت عمل جو ان میں پائی جاتی ہے وہ اس کون و مکان کی قید میں جکڑی ہوئی ہے لیکن واقعیتِ مُطلقہ اسی ذات پروردگار کی ہے ۔اب یہ اس بات کالازمہ ہے کہ وہ ذاتِ حقیقی ان تمام کمالات مطلقہ کی مالک ہونی چاہیے تاکہ تمام مخلوقات کو عطا کر سکے۔ مطہری ایک اور جگہ فرماتے ہیں :چونکہ یہ قدرت کمالی ہے اور واقعیت پر مبنی ہے تو لہٰذا واقعیت مطلق سے (وجود خدا) سلب نہیں ہو سکتا اور یہ قدرت ہے جو علت سے وجود میں آئی ہے . در حقیقت اس کی علت فاعلی ان تمام کی مالک ہونی چاہیے۔

3۔ کیا خداوند متعال کو صفات ثبوتیہ کے ذریعے متصف کیا جا سکتا ہے؟

استاد مرتضی مطہری کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی عقل اپنی توانائی اور قدرت کے مطابق ایک خاص حد تک ان صفات کو فہم و درک کر سکتی ہے۔ جو صفت خداوند متعال کے لیے کہی جاتی ہیں وہ اس معنی میں ہیں کہ وہ اس ذات میں بمعنی اتم موجود ہیں۔ ان کے مطابق: "علم ، قدرت، حیات اور ارادہ وغیرہ جیسی صفات، صفات ثبوتیہ میں سے شمار ہوتی ہیں"[23] تو اس بنا پر یہ کیسے ممکن ہے کہ کمال دینے والی ذات خود اس کمال سے محروم ہو یا اس میں وہ کمال بدرجہ اتم نہ پایا جاتا ہو۔ شہید مرتضی مطہری ان افراد کے ان سوالوں کے جواب میں جو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ جو صفت بھی انسان کو خدا سے مشابہ و مانند کرے، اس سے خداوند متعال منزہ ہے یا وہ اس صفت کو اللہ

تعالی سے تنزیہ کرتے ہیں۔فرماتے ہیں : " یہ بات تواظہر من الشّمس ہے کہ اگر ہم ایسے نظریہ کے قائل ہو جائیں تو نہ صرف یہ بات لازم آئی گی کہ حق تعالی سب صفات سے مبرّہ ہے بلکہ یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ عقل اس کو پہچان نہیں سکتی اور اس سے ارتفاع نقیضین[24] لازم آتا ہے، در حقیقت یہ ایک طرح کا اللہ کی وحدنیت کاانکار ہے۔ "[25]

میری نظر میں شہید مطہری اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ خداوند تعالی کی ذات کے لئے صفات ثبوتیہ کا قائل نہیں ہوا جاسکتا تو فی الواقع ہم یہ بات مان رہے ہیں کہ وہ ذات ان تمام صفات سے عاری ہے اور کوئی بھی صفت اس میں نہیں پائی جاتی۔ باالفاظ دیگر، وہ ذات بغیر صفات کے ہے یعنی وہ واجب الوجود ذات جو معطی صفات و کمال ہے وہ ان کی فاقد ہو، یہ بات سالم ذہن قبول نہیں کر سکتا اور یہ بات محال ہے۔ یہاں یہ سوال بجا طور پر ایجاد ہوتا ہے کہ اگر یہ قاعدہ کلیت رکھتا ہے کہ خدا نے جس چیز کو جو بھی خصوصیت اور صفت عطا کی ہے، وہ خصوصیت اور صفت خود خداوند تعالی کے وجود میں بھی پائی جانی چاہیے تو آیا اس کا مطلب یہی ہے کہ مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تعالی نے جسم کو بنایا ہے تو اس ذات میں بھی جسم اور جسم کی تمام خصوصیات پائی جانی چاہیں؟

مرتضی مطہریؒ اس مسئلہ کا جواب کچھ یوں دیتے ہیں کہ : " تمام امکانی موجودات جو ظاہر میں ایک وجود رکھتے ہیں، وجود اور ماہیت سے بنے ہیں۔ مثلاً اگر موجود کا جسم اس کے وجود جسمانیت کے ساتھ محدود نہ ہوتا تو وہ وجود مطلق ہوتا؛ لیکن جسمانیت یعنی مادی جوہر جو حجم رکھتا ہو، یہ وجود مطلق کو محدود کرتا ہے اور زمانی اور مکانی قیود کے نزدیک لاتا ہے۔ "[26] ان کے نظریہ کے مطابق ساری دنیاوی اشیا مادے اور جوہر میں مقید ہیں اور اگر یہ زمانے اور مکان کی قید سے جارج ہو جاتیں تو اس وقت یہ مطلق کہلاتے ہیں، تو جو بھی وجود ان چیزوں کی قید سے ملا جاتا ہے وہ جسم کہلاتا ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " علت فاعلی ہمیشہ اپنے حال کے مطابق مطلق تاثیر پہنچاتا ہے لیکن اپنی زمانی اور مکانی شرائط کے مطابق اس ذات کے اطلاق کو لیتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ایک شخص جو دریا سے پانی بھرنا چاہے وہ پانی کو محدود نہیں کر سکتا بلکہ اس کے ہاتھوں اور برتن جو اس کے ہاتھوں میں ہے، دریا کے پانی کے اجزاء کی دوری اور نزدیکی، اس کے فعل کو مقید کر دیتا ہے۔ "[27]

ان کے نظریہ کے مطابق زمانی و مکانی قیود ہمیں اس کے وجود مطلق کے سمجھنے میں مانع آتیں ہیں جبکہ مطلق بذات خود مطلق ہے اور کسی بھی اعتبار سے مقید نہیں ہو سکتا۔ اس کی ذات ہر قید او بند سے مبرّہ و منزّہ ہے۔ اسی مطلب کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " ہر مقید در حقیقت معدوم ہو جاتی ہے اور خداوند متعال جو وجود مطلق ہے، عدم و نابودی سے اس کی ذات مبرہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہم اللہ تعالی کو ایسی مربوط صفات سے جو اس کی ذات سے خارج ہیں متصف کرتے ہیں، جیسے : وہ خدا، خالق، رزق دینے والا، زندگی دینے والا، موت دینے

والا، پیدا کرنے والا اور رب ہے۔ لیکن در حقیقت یہ اوصافِ نسبی ہیں خارجی وظاہری نہیں ہیں۔"[28] جب ایسی صفات جو اللہ تعالی کی جانب منسوب کی جارہی ہوں جو کسی بھی اعتبار سے محدود ہوں تو وہ معدومیت کے طرف لوٹتی ہیں اور شہید مرتضی مطہریؒ کے نزدیک ایسے اوصاف سے خداوند تعالیٰ کی ذات منزہ ہے۔

4۔ کیا خداوند متعال سے کچھ اوصاف کو سلب کیا جاسکتا ہے؟

شہید مرتضی مطہریؒ کے عقیدہ کے مطابق ہم ایسی صفت یا اوصاف کو سلب کرسکتے ہیں کہ جو اس ذات میں کثرت یا مرکب ہونے کے عنصر کو ظاہر کرتی ہوں یعنی جو صفات اللہ تعالی کی ذات کو اطلاق سے یا لامحدودیت سے غیر مطلق یا محدود مقید کی جانب لاتی ہوں ان کو اس ذات سے سلب کیا جاسکتا ہے: "توحید ذاتی سے مراد اس ذات سے دو کی نفی، مثل کی نفی اور مانند ہونے کی نفی کرنا ہے۔ اور توحید صفاتی سے مراد اس ذات سے ہر طرح کی مرکب ہونے اور کثرت کی نفی ہے۔ بالکل اسی حال میں جب اللہ تعالی کی ذات جمال وجلال، کمالیت کے اوصاف سے متصف ہے، اس میں ظاہری اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ذات کا صفات سے مختلف ہونا اور صفات کا آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہونا وجود کو محدودیت کی جانب لے جاتا ہے۔ بے انتہا ولا محدود وجود کے لے "دوسرا" کوئی تصور میں نہیں لایا جاسکتا تو مرکب ہونا، کثرت، ذات اور صفات میں اختلاف بھی تصور میں نہیں لایا جاسکتا۔"[29]

اس بناپر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ شہید مطہریؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خداوند متعال سے ہر طرح کی محدودیت، کثرت، مرکب ہونا یا کسی کے جیسا ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اگر ان چیزوں مان لیا جائے تو یہ چیزیں باعث بنتی ہیں کہ وہ چیز محدود یا مقید ہو جائے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ وہ ہر چیز ہو سکتی ہے خدا نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ:

صفات خداوندی کی شناخت کے بارے میں شہید مطہریؒ کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1. انسانی عقل ایک حد تک قادر ہے کہ وہ اوصاف الٰہی کو درک کرسکے۔ اس سے آگے چونکہ انسان محدود ہے اس لئے وہ اس ذات کو پہچاننے کی طاقت نہیں رکھتا۔
2. صفات خدا کی شناخت کے دو راستے ہیں: پہلا، برہان صدیقین کے ذریعے اور دوسرا، صفات کے ذریعے۔
3. خدا کی صفات کی شناخت کے دو طریقے ہیں: الف: فلسفی۔ ب: کلامی۔
4. ایجابی صفات یا صفات ثبوتیہ کے ذریعے خدا کو توصیف کرنے میں اشکال نہیں۔
5. جو صفات خداوند متعال کی ذات میں کسی قسم کا نقص یا عیب ظاہر کرتی ہوں انہیں خداوند تعالی کی ذات سے سلب کیا جاسکتا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔امیر عباس، علی زمانی، *سخن گفتن از خدا* (تہران، سازمان انتشارات پژوہشگاہ فرہنگ و اندیشہ اسلامی، 1387ش) 93۔

2۔ فخر الدین، رازی، *المطالب العالیۃ من العلم الاہی* (بیروت، ار الکتاب العربی، 1407ق) 37۔

3۔ موسی، ابن میمون، *ولالۃ الحائرین*، تحقیق حسین آتای (آنکارا، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، 1972) 140۔

4.Ross, James, "Religious Language" in: *An introduction to the Philosophy of Religion*, Ed by Brian Davies, Oxford University Press, 1993), 108 ; Dan R, Stiver, *The Philosophy of Religious Language*, (Blackwell, Oxford, 1996.),19

5۔غلام حسین، دینانی، *نیایش فیلسوف* (مشہد، دانشگاہ علوم اسلامی رضوی، 1377)، 352۔

6.Dermot, Moran, "Platonism, Medieval", in: *Routledge Encyclopedia of philosophy*, vol. 9. (1998), 437.

7۔ محمد، ایلخانی، *تاریخ فلسفہ در قرون وسطی و رنسانس* (تہران، ندارد، سمت 1382)، 553۔

8.Kenny, John Peter, "Patristic philosophy", in: *Routledge Encyclopedia of philosophy*, vol. 7, (London, Routledge, 1998), 257

9.Payn, Steven, "mysticism", in: *Routledge encyclopedia of philosophy*, vol. 6, (London, Routledge, 1998), 624

10۔ کریم، مجتہدی، *فلسفہ در قرون وسطی* (تہران، امیر کبیر 1379)، 110۔

11.Ross, James, "Religious Language" in: *An introduction to the Philosophy of Religion*, Ed by Brian Davies, (Oxford University Press, 1993), 109-110. Stiver, Dan R. *The Philosophy of Religious Language*, Blackwell, (Oxford, 1996), 17.

12۔امیر عباس، علی زمانی، *سخن گفتن از خدا*؛ 178۔

13۔ غلام حسین، دینانی، *نیایش فیلسوف*؛ 345۔

14۔ قاضی سعید، قمی، *کلید بہشت*، مقدمہ و تصحیح محمد مشکات (تہران، الزہرا، 1362)، 66۔

15۔ قاضی سعید، قمی، *شرح توحید الصدوق*، تصحیح و تعلیق نجفقلی حبیبی، ج1 (تہران، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی 1373)، 10۔

16۔ قمی، *شرح توحید الصدوق*، ج1، 8۔

17۔ مرتضی، مطہری، *مجموعہ آثار*، ج6، (قم، انتشارات صدرا) 1035۔

18۔ایضا : 1034۔

19 ۔ایضا: 1004تا1012

20۔ایضا: 1041و1042

21۔ایضا: 1029

22۔ ایضا: 1032

23 ۔ایضا، ج2/ 94۔

24۔ علم منطق کی اصطلاح ہے جو ممکن الوجود کے بارے میں استعمال ہوتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ نہ وجود اس کے لئے ضروری ہے اور ان عدم اس کے لئے ضروری ہے. اس صورت میں ہم اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ ممکن ہے وہ ذات موجود ہو اور ممکن ہے وہ ذات موجود نہ ہو. لہٰذا یہ نقیضین ہیں۔

25۔ مرتضٰی، مطہری، مجموعہ آثار، ج6: 1034

26۔ایضا: 1045

27۔ایضا۔

28۔ایضا۔

29۔ایضا، ج2: 101

کتابیات

1. ابن میمون، موسی، دلالۃ الحائرین، تحقیق حسین آتای، آنکارا، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، 1972۔
2. ایلخانی، محمد، تاریخ فلسفہ در قرون وسطی و رنسانس، تہران، سمت 1382۔
3. دینانی، علام حسین، نیایش فیلسوف، مشہد، دانشگاہ علوم اسلامی رضوی، 1377۔
4. رازی، فخر الدین، المطالب العالیۃ من العلم الالہی، چاپ اوّل، بیروت، ار الکتاب العربی، 1407ق۔
5. علی زمانی، امیر عباس، سخن گفتن از خدا، چاپ دوم، تہران، سازمان انتشارات پژوہشگاہ فرہنگ و اندیشہ اسلامی، 1387ش۔
6. قمی، قاضی سعید، شرح توحید الصدوق، تصحیح و تعلیق نجفقلی حبیبی، تہران، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی 1373۔
7. قمی، قاضی سعید، کلید بہشت، مقدمہ و تصحیح محمد مشکات، تہران، الزہرا 1362۔
8. مجتہدی، کریم، فلسفہ در قرون وسطی، تہران: امیر کبیر، 1379۔
9. مجموعہ آثار استاد شہید مطہری، (مجموعہ نور کا سافٹ ویئر)۔
10. Ross, James, "Religious Language" in: ***An introduction to the Philosophy of Religion***, Ed by Brian Davies, Oxford University Press, 1993.
11. Payn, Steven, "mysticism", in: ***Routledge encyclopedia of philosophy***, vol. 6, London, Routledge, 1998.
12. Stiver, Dan R. ***The Philosophy of Religious Language***, Blackwell, Oxford, 1996.